عصر حاضر میں انشورنس اور تکافل میں تعزیر بالمال کی صورتوں کے شرعی احکام

Shariah Rulings on Forms of Taʿzīr Bilmāl (Ponitive Money) in Insurance and Takaful in Contemporary Times

Hafiz Muhammad Nadeem
Ph.D. Scholar, Islamic Studies Department, The University of Lahore, Lahore
nadeemrabbani19851@gmail.com

Salman Ahmad Khan
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore
salman.ahmad@ais.uol.edu.pk

Abstruct:
The jurists agree that the fiscal punishment was permissible in the beginning of Islam, but the question is whether its justification still remains or not? The majority of Aḥnāf, Shawāfeʿ, Mālikiyah and Ḥanābalah are convinced of the unjustification of financial punishment. The second opinion is that it is still permissible, this is the view of Imām Abū Yūsuf and the famous decree of Imām Mālik, the ancient saying of Imām Shāfiʿī is also valid. There are also many example of validity narrated by Imām Aḥmad bin Hanbal which Ibn e Taymiyyah and his student Ibn e Qayyim reported. Since in the modern era, due to the lack of Islamic law of Ḥudud and Taʿzīrāt, there has been a great abundance of financial punishment in practice and its dealings are everywhere, therefore, the preferable opinion is that the punishment with money is permissible under compulsion. Whereas, an insurance

company compensates an individual or institution against an anticipated loss, and provides interest-bearing loans to policyholders and business corporations. But all forms of insurance are illegitimate and Ḥaram in Islam, because they contain usury, deception and gambling.

Keywords: *Ḥudud, Taʿzīrāt, Punishment, Money, Abu Yousuf, Permissible, insurance.*

تعزیری سزا کے طور پر کبھی مجرم یا متعلقہ فرد پر مالی جرمانہ بھی عائد کیا جاتا ہے جسے تعزیر بالمال کہتے ہیں۔ اس کو غرامۂ مالیہ اور جرمانہ کا نام بھی دیا جاتا ہے، اور عصرِ حاضر میں ہر جگہ مالی جرمانہ کی وصولی کا رواج ہو چکا ہے۔

دکتور فیض اللہ محمد فوزی نے جرمانے کی جامع مانع تعریف بیان کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"جرمانہ ایک ایسی رقم ہے جو مجرم پر سرکاری خزانے یا اس کے مستحق کو دینے کے لیے لاگو کی جاتی ہے۔ یہ تعریف میری عاجزانہ رائے میں جامع ہے۔ اس میں مالی اور ہر قسم کا جرمانہ شامل ہے جو بیت المال کو ادا کیا جاتا ہے یا اس کے مستحق کو دیا جاتا ہے۔"[1]

کثیر ائمہ وفقہاء یعنی حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال کے ساتھ سزا دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول بھی یہی ہے۔

---

[1]-فیض اللہ، محمد فوزی، الدکتور، نظریة الضمان فی الفقه الاسلامی : مکتبة التراث الاسلامی، الکویت، ط: 1، 1983م، ص: 57۔

حضرت امام قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ مال کے ساتھ سزائیں دینے کو جائز سمجھتے ہیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول بھی یہی ہے، جب کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول بھی جواز کا ہے۔[2] نیز شیخ ابن تیمیہ الحرانی اور علامہ ابن قیم الجوزیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق احادیث و آثار کی روشنی میں ایسی کئی مثالیں بیان کی ہیں، جن سے مالی سزاؤں کے جواز کو ثابت کرتی ہیں۔[3]

البتہ تعزیر بالمال کے جواز کے بارے میں امام قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور دیگر مجوّزین و موافقین کی رائے میں معمولی سا فرق ہے، یعنی حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مجرم اگر توبہ کرلے تو اس کا مال اسے لوٹا دیا جائے، بعض حنفیہ جیسے علامہ ابنِ نجیم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر حضرات کی رائے یہ ہے کہ حاکم اگر مجرم کی توبہ سے مایوس ہو جائے تو مالِ ماخوذ کو جہاں مناسب سمجھے، خرچ کر سکتا ہے۔[4]

2-ابن الهمام الحنفی، محمد بن عبد الواحد السیواسی، کمال الدین (م: 861ھ)، فتح القدیر: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، لبنان، بیروت، دار الفکر، س ن، 345/5؛ لجنة من علماء الکویت، الموسوعة الفقهية الكويتية : مشروعية التعزير بالمال، 270/12۔

3-ابنِ تیمیة الحرانی، احمد بن عبد الحلیم، ابوالعباس (م: 728ھ)، مجموع الفتاویٰ : فصل التعزیر بالعقوبات المالية، المدينة النبوية، السعودية، مجمع الملك فهد، 110/28؛ ابن القيم الجوزية، محمد بن ابی بکر، ابوعبد الله (م: 752ھ)، الطرق الحكمية : باب التعزير بالعقوبات المالية، تحقيق: نايف بن احمد الحمد، السعودية، مكة المكرمة، دار عالم الفوائد، 1428ھ، 2/91۔688 تلخيصًا۔

4-ابنِ نجیم الحنفی، زین الدین بن ابراهیم بن محمد المصری (م: 970ھ)، البحر الرائق شرح کنز الدقائق : کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، لبنان، بیروت، دار الکتاب الاسلامی، س ن، 44/5۔

مشہور مالکی فقیہ علامہ ابن فرحون رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاءِ مالکیہ کے نزدیک بعض مواقع پر مال کو صدقہ کر دیا جاتا ہے، کبھی اسے جلا دیا جاتا ہے، اور کبھی کاٹ کر ٹکڑوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔[5] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر شوافع کے ہاں مدینہ منورہ کی سرزمین مقدس پر شکار کرنے والے کا مال حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی رو سے سلب کر لینا جائز ہے۔[6] شیخ ابنِ تیمیہ الحرانی اور علامہ ابنِ قیّم الجوزیہ نے یہ وضاحت کی ہے کہ حاکم کی مصلحت کے مطابق کبھی تو مجرم سے بطورِ جرمانہ مال لیا جاتا ہے، کبھی مال کو ضائع کر دیا جاتا ہے اور کبھی مال کی شکل بدل دی جاتی ہے۔[7]

تعزیر بالمال اور انشورنس کے جواز و عدم جواز کے حوالے سے درجِ ذیل کام بہت اہمیت کا حامل ہے:

☆ مفتی اختر امام عادل قاسمی (انڈیا) نے جرمانے کی سزاؤں کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے ایک کتابچہ لکھا، جس کا نام "مالی جرمانوں کا شرعی حکم: تحقیق و تنقیح" رکھا۔ اس رسالے میں مفتی صاحب نے تعزیر بالمال کا معنی و مفہوم، اس کی مشروعیت اور اس کے قائلین و مانعین فقہاء امت کی آراء کو بالتفصیل بیان کیا، اور نتیجۃً اس کو جائز قرار دیا۔

---

[5]-ابنِ فرحون المالکی، ابراہیم بن علی بن محمد، برہان الدین الیعمری (م: 799ھ)، تبصرة الحكام فی اصول القضية و مناهج الاحكام : فصل اذا ثبت اصل التعزير و العقوبة، مصر، القاهرة، مكتبة الكليات الازهرية، الطبعة الاولىٰ، 1406ھ، 294/2۔

[6]-النووی، یحیٰی بن شرف، ابو زکریا، محیی الدین (م: 676ھ)، روضة الطالبين و عمدة المفتين : كتاب الحج، تحقيق: زهير الشاويش، لبنان، بيروت، المكتب الاسلامی، الطبعة الثالثة، 1412ھ، 169/3۔

[7]-ابنِ تیمیة الحرانی، احمد بن عبد الحلیم، الحسبة فی الاسلام او وظيفة الحكومة الاسلامية : فصل: التعزير المالی، لبنان، بيروت، دار الكتب العلمية، س ن، ص: 51۔56 ملخصًا؛ ابن القيم الجوزية، الطرق الحكمية : باب التعزير بالعقوبات المالية، 700/2۔

☆ امام احمد رضا خان محدث بریلوی نے انشورنس کے حوالے سے ایک مقالہ لکھا جس کے مطابق بیمہ ناجائز ہے، حضرت امام صاحب کا یہ مقالہ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (فتاویٰ رضویۃ)'' کی سترہویں جلد میں شامل ہے۔

☆ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے ''انشورنس اسلامی معیشت میں'' کے نام سے ایک آرٹیکل لکھا جو علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا کے مشہور مجلّہ ''فکر و نظر'' میں شائع ہوا، بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے اپنا یہ مقالہ کتابی صورت میں شائع کیا۔ ڈاکٹر موصوف کے نزدیک بیمہ دار کو بیمہ حیات میں زائد ملنے والی رقم یا حادثے کی صورت میں زائد ملنے والی رقم سود نہیں ہے، البتہ بیمہ کمپنیوں کے سودی کاروبار میں سرمایہ کاری (Investment) کو ڈاکٹر صاحب ناجائز سمجھتے ہیں۔

☆ ڈاکٹر نور محمد غفاری نے ''موجودہ نظام انشورنس اور اسلام کا تکافل اجتماعی'' کے نام سے انشورنس اور تکافل کے بارے میں بہت اہم کتاب لکھی جس میں انہوں نے انشورنس کی خرابیوں کی نشاندہی کی، اور اس کے متبادل تکافل اجتماعی کا نظریہ پیش کیا۔

☆ معروف شامی فقیہ دکتور مصطفیٰ احمد الزرقاء کی انشورنس کے بارے میں ایک مشہور کتاب ہے جس کا نام ''عقدالتامین (السوکرة) وموقوف الشریعة الاسلامیة'' ہے، دکتور مصطفیٰ الزرقاء نے اس کتاب میں انشورنس اور بیمہ کو جائز قرار دیا۔

☆ علاوہ ازیں بے شمار علماء و فقہاء اور اسکالرز حضرات انشورنس اور تکافل کے جواز و عدم جواز کے موضوع پر کتابیں اور تحقیقی مقالات لکھ چکے ہیں۔ مثلاً مفتی محمد وقار الدین رضوی، ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری، علامہ غلام رسول سعیدی، ڈاکٹر طاہر القادری، مفتی سید صابر حسین، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی محمد تقی امینی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد تقی عثمانی، شیخ خالد سیف اللہ رحمانی، ڈاکٹر عبد المالک عرفانی، ڈاکٹر حسین حامد حسان، مولانا عبد الرحمٰن کیلانی اور آیت اللہ محمد صادق الحسنی وغیرہ کا کام زیر بحث موضوع پر بہت اہمیت کا حامل ہے۔

عصر حاضر میں انشورنس اور تکافل میں تعزیر بالمال کی صورتوں کے شرعی احکام

انشورنس (بیمہ) کا مختصر تعارف

انشورنس انگریزی زبان کا لفظ ہے، جو (Insure) سے نکلا ہے، اس کا معنی ہے: "یقین دہانی کرانا"۔ اردو زبان میں اس کا مترادف لفظ "بیمہ" ہے جس کا معنی ہے: خوف اور اندیشہ۔

عربی میں اس کے لیے "عقد التامین" یا "تکفل یا تکافل" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ "تکفل" "باب "تفعل" کا جب کہ "تکافل" "باب "تفاعل" کا مصدر ہے۔ لفظِ "کفل" ان کا اصل مادہ ہے، اور اسی سے "کفیل" کا لفظ بنا ہے۔ کفالت کا معنی ہے:

"الْكَفَالَةُ: هی ضم الذمة الی الذمة فی المطالبة۔"[8]

"(دین کے) مطالبہ میں اصیل کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص پر ڈال دینا۔"

مثلاً زید پر بکر کا دین تھا۔ خالد نے بکر سے کہا: اگر زید نے دین ادا نہ کیا تو اس کی طرف سے میں یہ ادا کر دوں گا۔ زید اصیل ہے، اور خالد کفیل۔

کفالت کی دو قسمیں ہیں:

کفالت بالنفس، اور کفالت بالمال۔ ان دونوں اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے:

"فَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ، وَلَا تَجُوزُ الْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَأَمَّا الْكَفَالَةُ بِالْمَالِ فَجَائِزَةٌ، مَعْلُومًا كَانَ الْمَكْفُولُ بِه أَوْ مَجْهُولًا إذَا كَانَ دَيْنًا صَحِيحًا، مِثْلُ أَنْ يَقُولَ تَكَفَّلْت عَنْهُ بِأَلْفٍ أَوْ بِمَا لَك عَلَيْهِ أَوْ بِمَا يُدْرِكُك فِي هٰذَا الْبَيْعِ۔"[9]

---

[8]۔المرغینانی، علی بن ابی بکر الحنفی، برہان الدین، ابوالحسن (م: 593ھ)، الهدایة فی شرح بدایة المبتدی : کتاب الکفالة، تحقیق: طلال یوسف، لبنان، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، 87/3۔

[9]۔المرغینانی، علی بن ابی بکر الحنفی، الهدایة شرح بدایة المبتدی : کتاب الکفالة، 90/3-87 ملخصًا۔

”پس کفالت بالنفس بھی جائز ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدود اور قصاص میں یہ جائز نہیں ہے۔ کفالت بالمال جائز ہے' عام ازیں کہ مکفول بہ پر دین کی رقم معلوم ہو مگر شرط یہ ہے کہ وہ دین عوض والی رقم مکفول بہ پر صحیح بنتی ہو۔ مثلاً وہ یہ کہے: میں اس کی طرف سے ایک ہزار کا ضامن ہوں، یا میں اس کی طرف سے اس چیز کا ضامن ہوں جو اس کے ذمہ تیری ہے، یا مکفول بہ پر دین کی رقم مجہول ہو کہ وہ اس بیع میں تیری ضمانت حاصل کرلے۔“

انشورنس کا طریقہ کار:

بیمہ کے ذریعے کسی فرد یا اس ادارہ کو پیش آنے والے متوقع نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، اور انشورنس کمپنی کے کام کرنے کے طریقہ کو ہم ایک مثال ذریعے واضح کرتے ہیں:

انشورنس کمپنی زید کی زندگی کا بیمہ کرتی ہے، اور یہ زید بیمہ کمپنی سے دس سال کے لیے دس ہزار کی پالیسی خریدتا ہے۔ اب چاہیے تھا کہ بیمہ کمپنی اس سے دس سال تک ہر سال ایک ہزار روپیہ بطور قسط وصول کرتی' لیکن وہ ایک ہزار دو سو روپیہ سالانہ وصول کرتی ہے، اور یہ جو زید کے ذمہ دو سو روپے سالانہ ہیں' ان میں سے ایک سو روپیہ اس کے دفتر اور اسٹاف کے اخراجات کے ہیں اور ایک سو روپیہ امدادی فنڈ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ہر پالیسی ہولڈر ایک سو روپیہ سالانہ امدادی فنڈ میں داخل کرتا ہے، اور اگر کوئی پالیسی ہولڈر اپنی میعاد پوری کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اگر اس کی موت طبعی ہو تو اس کی پالیسی کے مساوی کل رقم اس کے نامزد وارث کو دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی بس، کارخانہ یا جہاز کا بیمہ کیا جائے اور بس کسی حادثہ میں تباہ ہو جائے یا کارخانہ میں آگ لگ جائے، یا جہاز ڈوب جائے تو پہلے سے طے شدہ پالیسی کے مطابق رقم' اس بس، کارخانہ یا جہاز کے مالک کو دے دی جاتی ہے، یوں اس کے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پالیسی ہولڈرز اپنی اقساط کے ذریعہ جو پیسہ بیمہ کمپنی میں داخل کرتے ہیں' کمپنی اس پیسہ کو منجمد نہیں رکھتی بلکہ اس پیسہ کو گردش میں رکھتی ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں خرید کر یا بنوا کر ان کو کرائے پر دیتی ہے۔ پالیسی ہولڈرز اور بڑے بڑے کاروباری اداروں کو سودی قرضے دیتی ہے، اور ہوائی کمپنیوں اور

صنعتی تجارتی اداروں کے حصص خریدتی ہے، اور اس طریقے سے حاصل شدہ منافع کو پالیسی ہولڈرز میں ان کی رقوم کے حساب سے تقسیم کرتی ہے۔ اس نفع کی شرح ہر سال مختلف ہوتی رہتی ہے، اور یہ رقم پالیسی ہولڈرز کے کھاتوں میں جمع کر دی جاتی ہے۔ [10]

انشورنس کی اقسام:

انشورنس کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے بعض کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

1۔ امدادی بیمہ(Mutul Insurance):

بیمہ کی اس قسم کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرے کے ایسے لوگ جو ایک ہی جیسے خطرات کے حامل ہوں، وہ باہم اکٹھے ہو کر کچھ سرمائے سے ایک فنڈ قائم کر لیتے ہیں۔ اس فنڈ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر مشترکہ سرمایہ کے ارکان میں سے کسی کے ساتھ کوئی حادثہ واقع ہو گیا تو جو رقم اس فنڈ میں موجود ہے، اس پیسے سے حادثہ کے نتیجے میں پیش آنے والے نقصان کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ اس سرمائے میں موجود رقم صرف ارکان فنڈ ہی جمع کراتے ہیں، اور اگر کسی کا نقصان ہو جائے تو اس کی ادائیگی کا مستحق بھی صرف انہی ارکان ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ اگر سال ختم ہو جائے، اور ادا شدہ معاوضات کی رقم مجموعی سرمائے سے بڑھ جائے تو ارکان فنڈ سے اضافی رقم کی وصولی کر لی جاتی ہے، اور اگر مشترکہ سرمائے کی رقم زیادہ ہو جائے تو وہ ارکان کو واپس کر دی جاتی ہے۔

در حقیقت انشورنس سسٹم کا آغاز اسی قسم کے تعاونی بیمہ کے رواج سے ہوا۔ ابتدائی طور پر رومی سلطنت میں لوگوں کی تجہیز و تکفین کے لیے بعض ادارے(Burial club) کے نام سے قائم تھے، ان کلبوں کا کام یہ تھا کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا، تو اس کی تجہیز و تکفین کے لیے یہ ادارے آپس میں چندہ اکٹھا کرتے تھے۔ سترہویں صدی عیسوی میں دوستانہ مجالس(Friendly Societies) قائم تھیں جو اسی تعاونی بیمہ کے طریقے سے کام کرتی

---

[10]۔ سعیدی، غلام رسول، علامہ (م:2016ء)، شرح صحیح مسلم: کتاب الامارۃ، فرید بک سٹال، لاہور، پاکستان، 2004ء، 5/846۔

تھی۔ ان مجالس کے ارکان میں سے جو آدمی بیمار ہو جاتا، اور اس پر اپنی روزی کمانا دشوار ہو جاتا تھا' تو اسی قسم کے باہمی سرمائے سے اس کی مدد کی جاتی تھی۔ پھر سترہویں صدی عیسوی میں انگلینڈ میں تاجر حضرات کی ایسی ہی انجمنیں موجود تھیں جو(Merchants guilds) کے ناموں سے مشہور تھیں۔ یہ انجمنیں ایسے ہی مشترکہ فنڈز کے ذریعے حادثات میں نقصان کا شکار ہو جانے والوں اور بیمار لوگوں کی مالی امداد کیا کرتی تھیں۔ برطانیہ کے بارے میں قدیم ترین بحری انشورنس کی تاریخ 1547ء بتائی جاتی ہے۔ دور حاضر میں بھی دنیا میں بیمہ کی یہی قسم رائج ہے، البتہ دیگر قسموں کے مقابلے میں اس کا رواج کافی کم ہے۔

2۔ گروہی بیمہ (Group Insurance):

گروہی بیمہ بھی انشورنس کی ایک مشہور قسم ہے، بالعموم کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی طرف سے اس قسم کے بیمہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس انشورنس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ادارے میں کام کرنے والے ملازمین جو تنخواہ لیتے ہیں، اس میں سے رقم کی ایک خاص مقدار کاٹ لی جاتی ہے، پھر اسے ایک باہمی فنڈ میں جمع کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات ان پیسوں کو سود پر بینکوں میں جمع کرایا جاتا ہے، پھر جب کسی ملازم کی نوکری کا عرصہ اپنی تکمیل کو پہنچ جائے، یا کوئی ملازم کسی حادثے کا شکار ہو جائے، یا اس کا وصال ہو جائے، تو ان تمام صورتوں میں پہلے سے طے شدہ اصول و قوانین کے مطابق مناسب رقم سے اس کے ورثاء کی مدد کی جاتی ہے۔

3۔ تجارتی بیمہ (Commercial Insurance):

عصر حاضر میں تجارتی بیمہ ہی انشورنس کی سب سے زیادہ مقبول قسم ہے۔ سب سے پہلے باقاعدہ ایک بیمہ کمپنی تشکیل دی جاتی ہے، جو انشورنس کے معاملات میں تجارتی بنیادوں پر کام کرتی ہے۔ دراصل بیمہ کی اس کمپنی کا مقصد پالیسی ہولڈرز کے جمع شدہ سرمائے کے ذریعے کاروبار کر کے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جب کوئی پالیسی ہولڈر اپنے مخصوص مقاصد کے تحت ایک مقررہ مدت کے لیے بیمہ کمپنی سے پالیسی خرید تا ہے، تو کمپنی اس فرد سے ایک معاہدہ کرتی ہے، یوں وہ شخص کمپنی کا کلائنٹ بن جاتا ہے، جس کے بعد اس کے لیے لازمی ہوتا ہے کہ وہ پریمئم(premium) کی

طے شدہ رقم ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر جمع کروائے۔ اگر مذکورہ کلائنٹ چند قسطوں کے بعد بچ جانے والی مزید قسطیں جمع کرانے سے عاجز آجائے، تو اس کی وہ رقم بھی ضبط کر لی جاتی ہے جو اس کی طرف سے پہلے سے جمع کرائی جا چکی ہے۔ بعض اوقات ایسی اسکیمیں بھی ہوتی ہیں جن میں اس کی جمع شدہ رقم کا 40فی صد اسے واپس کر دیا جاتا ہے۔ معاشرے میں تجارتی بیمہ بہت زیادہ رائج ہے، اور اس کی کئی صورتیں عام پائی جاتی ہیں۔ ایسے خطرات جن کے خلاف کمرشل انشورنس لی جاتی ہے، ان کے اعتبار سے اس کی درج ذیل اقسام بہت مشہور ہیں:

ا۔ اشیاء کا بیمہ(Goods Insurance):

اشیاء کے بیمہ میں کلائنٹ جس چیز کی بیمہ پالیسی خریدنا چاہتا ہے، تو وہ اس مقصد کے لیے ایک مخصوص رقم بالتقسیط بیمہ کمپنی کے پاس جمع کراتا ہے۔ اگر اس آدمی کو کوئی حادثہ پیش نہ آئے تو اس کی جمع کرائی گئی رقم میں سے کچھ بھی اس کو واپس نہیں ملتا، اور اگر اسے کسی قسم کا حادثہ پیش آگیا تو ایک خاص رقم پالیسی ہولڈر کو واپس کر دی جاتی ہے۔ بیمہ کی یہ قسم بھی ازمنۂ قدیمہ سے مروج ہے۔ رومی فوجیوں نے فرانس پر حملہ کرنے کی غرض سے جب رخت سفر باندھا، تو انہیں اپنا سامان حرب وہاں پہنچانے کی ضرورت تھی۔ کاروباری حضرات سمندری قزاقوں اور بحری طوفانوں سے شدید ڈرتے تھے، جس کی بدولت رومی سلطنت کی جانب سے ان کو یقین دہانی کرائی جاتی تھی کہ اگر ان کا سامان بحفاظت نہ پہنچا، بلکہ راستے میں کسی سبب کی بناء پر ضائع ہو گیا تو حکومت ان کے سامان کا پورا پورا معاوضہ ادا کرنے کی پابند ہو گی۔ اسکندریہ کے عرب تجار کے بارے میں بھی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی سمندری راستوں سے سامان بھجوانے والوں کو معاوضہ کے بدلے میں سفر کے خطرات سے امان کی ضمانت دیا کرتے تھے۔ بعد ازاں گڈز انشورنس میں بحری جہاز کے کپتان کی زندگی کا بھی بیمہ ہونے لگا۔ اسی طرح اعضاء کی انشورنس بھی ہوتی ہے، اس کا طریقہ کار بھی املاک کے بیمہ کی طرح ہے۔

۲۔ضمانت کا بیمہ(Third party Insurance):

اگر انسان کو آنے والے زمانے میں کسی ذمہ داری سے عہدہ بر آ ہونا پڑے‘تو اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے وہ بیمہ پالیسی کراتا ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی ڈرائیور سڑک پر گاڑی چلا رہا تھا،اور اس کی گاڑی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا جس سے کوئی راہگیر ہلاک ہو گیا،یا اس کا نقصان ہو گیا،تو اس ڈرائیور پر یا گاڑی کے مالک پر مالی جرمانہ عائد کیا جائے گا۔اب اگر اس گاڑی کی انشورنس ہو چکی ہے تو اس مالی نقصان کی تلافی وہ ڈرائیور یا گاڑی والا نہیں، بلکہ انشورنس کمپنی کرے گی۔علاوہ ازیں بیمہ کمپنی اور گاڑی والے کے درمیان ایک یہ معاہدہ بھی ہوتا ہے کہ اگر گاڑی کو کوئی حادثہ پیش نہ آیا،یا کسی شخص کی املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچا تو اس کا جمع شدہ سرمایہ رائیگاں جائے گا،اور اسے کچھ نہیں ملے گا۔

۳۔ زندگی کا بیمہ (Life Insurance):

اس قسم میں بیمہ کمپنی پالیسی ہولڈر سے ایک معاہدہ کرتی ہے کہ اگر طے شدہ مدت میں پو لیسی ہولڈر کی وفات ہو گئی تو پہلے سے طے شدہ ایک خصوصی رقم اس کے وارثین کو دی جائے گی،اور اگر معینہ مدت گزر گئی،اور پالیسی ہولڈر زندہ رہا تو وہ جتنی رقم بالاقساط جمع کرا چکا ہے،وہ سارے پیسے سود سمیت اس کو واپس مل جائیں گے۔[11]

[11]۔امینی، محمد تقی، مولانا(م:1992ء)،اسلام اور جدید دور کے مسائل: قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، س ن، ص: 173-177 تلخیصاً؛ غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، موجودہ نظام انشورنس اور اسلام کا تکافل اجتماعی: ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان، 1980ء، ص:12-15 ملخصًا۔

☆ سٹیٹ لائف انشورنس کے اصول وضوابط اور قوانین کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمایئے:
(https://www.statelife.com.pk/en/productlist/empower-your-life)

بیمہ کے تجارتی عروج وترقی کے عوامل:

شروع میں بیمہ کا دائرہ کار محدود تھا، بعد ازاں اس نے علاقائی، قومی اور بین الاقوامی کمپنیوں کی شکل اختیار کرلی۔ وہ عوامل جن کے باعث بیمہ اپنی تعاونی شکل سے نکل کر ایک تجارتی شکل اختیار کر گیا' ان کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

یورپ میں صنعتی ترقی کی وجہ سے کاروبار کو بہت عروج حاصل ہوا، معاشیات نے بطور علم خوب ترقی کی، اسی دوران 1616ء میں لندن کی عظیم آتشزدگی کا واقعہ رونما ہوا۔ اب بیمہ کے بارے میں موجود قدیم نظام پر اس لحاظ سے غوروفکر شروع ہوا کہ اسے وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے، لیکن اس میں رکاوٹ یہ تھی کہ ایک بہت بڑے انسانی گروہ کے لیے خطرات وحوادث کی امکانیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ علوم کی ترقی کے اس دور میں قانون اغلبیت، قانون اوسط اور قانون اعداد[12] کثیر پر علمی تحقیق ہوئی جس کے نتیجے میں خطرات وحوادث کی امکانیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا۔

کاروبار بیمہ کے عروج کی دوسری وجہ یہ تھی کہ تعاونی بیمہ پر مشتمل ادارے عموماً مخلص افراد کے سہارے چلتے ہیں جو دن بدن کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ مشترکہ کمپنیوں اور کارپوریشنوں کو حکومتیں چند ضوابط کا پابند بنانے میں کامیاب ہوگئی تھیں، ورنہ بیمہ کے کاروبار میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں قمار کا عنصر اس قدر بڑھ گیا تھا کہ 1774ء میں قانون قماربازی (Gambling Act) نافذ کیا گیا۔ نیز یہ کہ سوشلسٹ اور جمہوری

---

[12]۔ قانون اغلبیت یہ ہے کہ کسی واقعے کے بار بار تجربات سے آئندہ اس واقعے کے دوبارہ رونما ہونے کی نوعیت کا اندازہ لگانا۔ قانون اوسط یہ ہے کثیر تعداد افراد کے گروہ میں بعض مشترک خصوصیات کی اوسط مقدار ایک متعین سطح پر قائم رہتی ہے اور افراد کی کمی بیشی اور کام کی تبدیلی اس اوسط مقدار پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ قانون اعداد کثیر یہ ہے کہ ایک جیسے ماحول کے باشندوں کی حرکات میں مشابہت، ان کے وزن، مدتِ عمر، صلاحیت اور کام کی رفتار میں مطابقت بتلاتی ہیں۔

تحریکوں کے زیر اثر سوشل انشورنس کا نظام قائم ہوا جو اشتراکی تناظر میں سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں کا ردعمل تھا۔[13]

لیکن در حقیقت بیمہ کے عروج و ترقی کے مجملہ اسباب میں سے سب سے بڑا سبب سرمایہ دارانہ نظام کے تحت سود اور سٹے کی ترویج تھی۔ اسے عالمی سطح پر کاروبار کے وسیع پیمانے پر پھیلانے کا ایک مضبوط ہتھیار کہا جائے یا انسانی نفسیات میں خطرات سے حفاظت کا فطری داعیہ قرار دیا جائے، اس میں اگر سود اور سٹے کی موجودگی ہے، تو پھر اس کی کوئی اور توجیہہ ممکن نہیں۔

انشورنس کے بارے میں فقہی بحث کا آغاز:

بیمہ پر اوّلین فقہی رائے تیرہویں صدی کے مشہور حنفی عالم السید محمد امین بن عبد العزیز المعروف ابنِ عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ملتی ہے، اگرچہ اس وقت بیمہ کی موجودہ ترقی یافتہ شکل تو نہ تھی تاہم بنیادی ڈھانچہ ایسا ہی تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ”اب لوگوں میں یہ معمول بن چکا ہے کہ جب تجار حضرات کسی حربی کافر سے ایک جہاز کرایہ طے کر کے لیتے ہیں تو اس کو کرایہ دینے کے علاوہ دار الحرب میں رہنے والے کسی باشندہ کو ایک معین رقم اس شرط پر دیتے ہیں کہ اگر جہاز ڈوب گیا، یا جل گیا، یا اس کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا، یا کسی اور ناگہانی آفت کا شکار ہو گیا تو یہ شخص اس رقم کے بدلہ میں اس نقصان کا ضامن ہو گا۔ اس رقم کو ”سوکرہ“ یعنی بیمہ کی رقم کہا جاتا ہے۔ اس حربی (انشورنس کمپنی کے مالک) کا ایک وکیل (ایجنٹ) سلطانِ اسلام کی اجازت سے ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں

---

[13]۔ صدیقی، نجات اللہ، ڈاکٹر (م: 2022ء)، انشورنس اسلامی معیشت میں: اسلامی پبلی کیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ)، لاہور، پاکستان، 1969ء، ص: 19-21، 77، 76۔

مستامن بن کر (عصر حاضر میں پاسپورٹ کے ساتھ) وہاں رہتا ہے، اس کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ تاجر حضرات سے طے شدہ انشورنس کے پیسوں کی وصولی کرتا ہے، اور اگر سمندر میں تاجروں کا مال ضائع ہو جائے تو وہ تاجروں کو اس کا پورا پورا معاوضہ ادا کر دیتا ہے۔ اس مسئلہ میں مجھ پر جو چیز منکشف ہوئی' وہ یہ ہے کہ تاجروں کے لیے اس مستامن وکیل سے اپنے نقصان کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اس چیز کا التزام ہے جو اس پر لازم نہیں ہے۔"[14]

انشورنس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں نظریات

عصرِ حاضر میں جمہور فقہاءِ کرام انشورنس یا بیمہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں، جب کہ بعض حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ بیمہ کے مانعین اور مجوّزین کا موقف اور دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

جمہور فقہاء کا موقف اور ان کے دلائل:

جمہور فقہاءِ کرام کی رائے ہے کہ بیمہ کی کوئی قسم جائز نہیں ہے، بلکہ اس کی ساری قسمیں حرام ہیں۔ یعنی زندگی کا بیمہ ہو، یا تجارت وکاروبار کا بیمہ ہو، یا حوادث کا بیمہ، انشورنس کی ان سبھی صورتوں میں کئی ایک وجوہات حرمت پائی جاتی ہیں۔ البتہ پوسٹ آفس ڈیپارٹمنٹ، اور اس قسم کے دیگر اداروں یا کمپنیوں وغیرہ کی طرف سے سامان کی بحفاظت ترسیل پر بطور ضمانت وصول کی جانے والی رقم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا لینا جائز ہے۔

مانعین بیمہ نے انشورنس کی ممانعت پر جو دلائل دیے ہیں، ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

---

[14]۔ابنِ عابدین الشامی، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی الحنفی (م: 1252ھ)، رد المحتار علی الدر المختار: کتاب الجهاد، فصل فی استئمان الکافر، لبنان، بیروت، دار الفکر، الطبعة الثانية، 1412ھ، 170/4۔

ا۔ انشورنس و بیمہ کی کوئی بھی قسم سود یا قمار، یا دونوں امور سے خالی نہیں ہے، جس کی وجہ سے یہ سب قسمیں حرام ہیں۔ مثلاً بیمۂ حیات میں قمار تو نہیں مگر سود ہے، جب کہ دیگر تمام اقسام میں قمار اور سود دونوں شامل ہیں۔(15) بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بیمہ کمپنیاں لوگوں کی رقوم جمع کر کے آگے سودی کاموں میں لگاتی ہیں، یوں اس ناجائز کاروبار میں انسان خود بخود حصہ دار بن جاتا ہے۔[16]

۲۔ اگر کوئی معاملہ کسی غیر معین واقعہ پر موقوف ہو تو فقہاء کرام اسے خطر سے تعبیر کرتے ہیں۔ رقبیٰ بھی اسی خطر کی ایک شکل ہے، اور شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے۔ رقبیٰ سے مراد یہ ہے کہ ایک مکان کسی شخص کی ملکیت میں ہو، اور مالک مکان کسی دوسرے آدمی سے کہے کہ اگر میری موت تم سے قبل واقع ہو گئی تو یہ مکان تیرا ' ورنہ میرا، یعنی وہ اس شرط کے ساتھ اپنے مکان کی ملکیت دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دے۔ تو گویا ایسی شکل کو تعلیق التملیک بالخطر کہا جاتا ہے، اور وہ باطل اور غیر معتبر ہوتی ہے۔[17]

یہی مخاطرہ قمار کی جڑ ہے، علامہ اکمل الدین احمد بن محمود البابرتی رحمۃ اللہ علیہ تعلیق التملیک بالخطر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"وَالتَّمْلِيكَاتُ لَا تَحْتَمِلُه لِأَدَائِه إِلٰى مَعْنَى الْقِمَارِ۔"[18]

---

[15]۔ بریلوی، احمد رضا خان، امام (م:1340ھ)، العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (فتاویٰ رضویۃ): رضا فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، ط:12، 2012ء، 17/365۔

[16]۔ لدھیانوی، رشید احمد، مفتی (م:202ء)، احسن الفتاویٰ: ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی، پاکستان، 1925ء، 7/24۔

[17]۔ سنبھلی، برہان الدین، مولانا (م:1442ھ)، انشورنس فقہی نقطہ نظر سے (۲): اسلام اور عصرِ جدید، جامعہ نگر م دہلی، انڈیا، جنوری 1974، ص: 70۔

[18]۔ البابرتی، محمد بن محمد بن محمود الرومی الحنفی، اكمل الدين، ابوعبد الله (م: 786ھ)، العناية شرح الهداية : كتاب البيوع، باب بيع الصوف علٰى ظهر الغنم، لبنان، بيروت، دار الفكر، س ن، 417/6۔

''اور ملکیت منتقل کرنے کے لیے اسے ایسی کسی غیر یقینی چیز کے ساتھ وابستہ کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں جس کا وجود اور عدم دونوں محتمل ہوں کیونکہ اس سے قمار کا معنی پیدا ہو جاتا ہے ۔''

۳۔ انشورنس کی بعض اقسام میں دیگر قباحتیں اور اصول شرع کی خلاف ورزیاں بھی پائی جاتی ہیں، خاص طور پر بیمۂ حیات میں یہ قباحت بھی موجود ہوتی ہے کہ بیمہ دار نے اپنی زندگی میں جس شخص کو نامزد کر دیا، تو جب بیمہ دار فوت ہو جائے تو اس کے بعد بیمہ کی رقم نامزد کردہ بندے کو ہی دی جاتی ہے، اور اصول وراثت کی روشنی میں شرعی وارثین میں تقسیم نہیں کی جاتی۔[19]

۴۔ بیمہ کی بعض صورتوں میں جمع شدہ رقم بیمہ دار کو واپس نہیں کی جاتی، مثلاً حوادث کے بیمہ میں جو رقم بیمہ کمپنی کو جمع کرائی جاتی ہے، اس کی شرعی حیثیت بیمہ دار کے قرض کی ہوتی ہے جو اس نے انشورنس کمپنی کو عاریۃً دیا ہوتا ہے۔ قرض کا اصول یہ ہے کہ اس کا واپس کرنا شرعی طور پر مقروض کے لیے ہر حال میں لازم ہے، جب کہ حادثات کے بیمہ میں رقم واپس نہیں کی جاتی۔[20]

۵۔ بیمہ کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بہت سی اخلاقی برائیوں کا سبب بنتا ہے، مثلاً بعض اوقات زندگی کے بیمہ میں ورثاء اپنے بیمہ دار مورث کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یا حادثات کے بیمہ کی صورت میں خود بخود املاک کو آگ لگائی جاتی ہے۔[21]

---

[19]۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ (م: 1979ء)، رسائل ومسائل : ، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ)، لاہور، پاکستان، 2006ء، 3/223۔

[20]۔ عثمانی، محمد شفیع دیوبندی، مفتی (م:1976ء)، اسلام اور بیمہ (انشورنس): مشتمولہ فتاویٰ بینات، 4/198۔

[21]۔ رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، جدید فقہی مسائل: زم زم پبلشرز کراچی، پاکستان، 2006ء، ص 5/70؛ صدیقی، نجات اللہ، انشورنس اسلامی معیشت میں: اسلامی پبلی کیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ)، لاہور، پاکستان، 1969ء، ص 51، 50۔

جواز کے قائلین کا موقف اور ان کے دلائل:

عصرِ حاضر میں بعض اہل علم کا موقف یہ ہے کہ بیمہ جائز ہے، البتہ وہ اس میں یہ تفصیل بتلاتے ہیں کہ بیمہ کا کاروبار جب غیر سودی معیشت میں ہو گا' تو پھر جائز ہو گا۔ جب کہ بعض حضرات کے خیال میں بیمہ کمپنیوں کی سودی کاروبار میں(Investment) بھی جائز ہے۔ ان مفکرین کے ہاں انشورنس اپنی موجودہ شکل میں بھی جائز ہے۔[22]

ان حضرات کے دلائل میں بعض تو وہ امور ہیں جو بیمہ کی ضرورت ثابت کرتے ہیں، اور بعض دلائل دراصل مانعین بیمہ کے دلائل کے جوابات ہیں جن کی تفصیل مختصر طور پر حسب ذیل ہے:

ا۔ خطر کی دو قسمیں ہیں: کاروباری خطر یا عدمِ تیقن اور خطرِ محض۔ کاروباری خطر وہ ہوتا ہے جس میں نقصان کا اندیشہ اور نفع کی امید دونوں وابستہ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کاریگر ایک چیز بناتا ہے، اس کی امید یہ ہے کہ یہ چیز اتنی مدت مثلاً ایک ماہ کے بعد اتنی قیمت پر فروخت ہو گی اور مجھے اتنا نفع حاصل ہو گا۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس کا یہ تخمینہ غلط ہو، اور صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ ممکنہ طور پر ہر چیز کی قیمت اس کے اندازہ سے بڑھ جائے اور اسے زیادہ نفع حاصل ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بازار میں چیز کی مانگ (Demand) کم ہو جائے اور قیمت کم ہو جائے اور نقصان ہو جائے۔ خطر کی یہ قسم کاروبار کی کلید ہے، البتہ یہاں نفع یا نقصان کی مقدار نا قابل پیمائش ہے۔ یہ اندازہ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ اندازہ غلط ثابت ہوا تو اسے خسارہ ہو گا۔ صحیح ثابت ہوا تو اسے نفع ہو گا۔[23]

---

[22]۔ عرفانی، عبد المالک، ڈاکٹر، بیمہ کی شرعی حیثیت: فکر و نظر، فروری، 1984ء، ص: 18، 17۔

[23]۔ صدیقی، نجات اللہ، ڈاکٹر، انشورنس اسلامی معیشت میں: ص: 14-16۔

دوسری قسم ان خطرات کی ہے، جن کے پیش آنے سے صرف نقصان کا اندیشہ وابستہ ہے، مثلاً بحری جہاز سمندر میں اگر غرق ہو گیا تو اس سے نقصان ہو گا، اور نقصان کی اس قسم کی پیمائش ممکن ہے۔ دکتور مصطفیٰ احمد الزرقاء رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "خطرات کی یہی قسم ہے جس کا مقابلہ اجتماعی طور پر کرنے سے افراد کے لیے سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اور کار گاہِ حیات میں ان کی کارگردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسا کرنے کا موقع اس اصول کی بنا پر حاصل ہوا جسے اب قانونِ اعدادِ کثیر (Law of large number) یا قانونِ اوسط (Law of average) کہا جاتا ہے۔ انشورنس کا ہدف یہ قابل پیمائش خطر محض ہے۔" [24]

۲۔ خطر کی اس مذکورہ بالا قسم دوم اور قمار میں موجود خطر میں فرق ہے۔ قمار میں موجود خطر انسان خود پیدا کرتا ہے، یا ان سے ارادی طور پر اپنا تعلق قائم کرتا ہے۔ پھر ان خطرات میں نقصان کے بالکل ختم ہو جانے اور نفع میں بہت کچھ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان خطرات کو مول لینا قمار کہلاتا ہے، جب کہ بیمہ میں موجود خطر کو انسان خود مول نہیں لیتا بلکہ وہ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال موت ہے جس سے ہمیشہ تو نہیں مگر اکثر بالخصوص اگر متوفی جوان ہو تو اس کے ورثاء کو مالی نقصان ہوتا ہے۔ [25]

قمار اور بیمہ میں دوسرا جوہری فرق یہ ہے کہ دونوں میں منفعت کی امید وابستہ ہوتی ہے۔ جوئے بازی کا مالی مقصد یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ مالی منفعت متعلق ہے جو صرف جیتنے کی ہی صورت میں حاصل ہو گی، جب کہ بیمہ پالیسی لینے

---

[24]۔الزرقاء، مصطفی احمد، الدکتور (م: 1420ھ)، عقدالتامین (السوکرة) وموقف الشریعة الاسلامیة : السوریة، مطبوعة جامعة دمشق، الطبعة الاولیٰ، 1962م، ص: 45۔

[25]۔صدیقی، نجات اللہ، ڈاکٹر، انشورنس اسلامی معیشت میں: ص: 35، 34۔

کا مالی مقصد اس نقصان کی تلافی کرنا ہے، جو خطرہ پیش آنے کی صورت میں ہو گا۔ کیالاٹری کے ٹکٹ خرید کر نقصان کا اندیشہ مول لینے والا اور جہاز کا بیمہ کرا کر نقصان کی تلافی سے حفاظت حاصل کرنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ نیز بیمہ کرانے والا نفع کی صورت میں ملنے والی رقم سے بہت زیادہ امیر نہیں ہو جاتا، جب کہ جوئے باز جیتنے والے کو ایک خاص رقم ادا کرتا ہے جو سراسر نقصان ہے، اور بیمہ کرانے والا ایک خاص رقم (پریمیئم) ادا کرتا ہے جس سے اسے نقصان نہیں بلکہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔[26]

ایک فرق یہ بھی نکالا گیا ہے کہ حدیث میں خرید و فروخت کی جن شکلوں سے منع کیا گیا ہے' انہی میں بیع الحصاۃ وغیرہ بھی ہیں۔ شریعت میں بیع الحصاۃ سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی تمدنی فائدہ وابستہ نہیں ہے، جب کہ انشورنس تعاون باہمی پر مبنی نظام ہے جس سے تمدن کے فوائد وابستہ ہیں۔ [27] اس تمام بحث کا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ بیمہ کے مقابلے میں قمار ایک ہزل ہے، جب کہ بیمہ باقاعدہ سنجیدہ معاملہ ہے، لہٰذا دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔[28]

۳۔ بیمہ میں غرر کا عنصر بھی نہیں پایا جاتا۔ اس لیے کہ اوّلاً غرر کی ممانعت خرید و فروخت کے تناظر میں وارد ہوئی ہے۔ ثانیاً یہ کہ غرر وہاں ممنوع ہے جہاں مبیع (بیچی جانے والی چیز) مقدور التسلیم (سپردگی کے قابل) نہ ہو، یا ارکانِ عقد مجہول ہوں، جب کہ یہاں بیمہ میں دونوں صورتیں نہیں ہیں۔ یہاں قسط کی رقم، زندگی کے بیمہ میں رقم، دیگر اقسام میں بیمہ کی آخری حد (یعنی جس بڑے سے بڑے نقصان کی تلافی بیمہ کمپنی کر سکے گی) اور بیمہ دار کے

---

[26]۔ صدیقی، نجات اللہ، ڈاکٹر، انشورنس اسلامی معیشت میں: ص: 37، 36۔

[27]۔ صدیقی، نجات اللہ، ڈاکٹر، انشورنس اسلامی معیشت میں: ص: 16۔

[28]۔ حسان، حسین حامد، ڈاکٹر (م: 2020ء)، بیمہ کی شرعی حیثیت: اردو ترجمہ: عبدالرحیم اشرف بلوچ، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، 1975ء، ص: 170۔

لیے تحفظ یا امان سب متعین ہیں۔ باقی یہ بات کہ بیمہ غیر یقینی واقعہ کے ظہور پذیر ہونے پر واجب الاداء ہوتا ہے' یہ غلط ہے، کیونکہ بیع میں اصل چیز مبیع ہے جو غیر یقینی ہو تو غرر ہے، جب کہ بیمہ میں اصل چیز قابل بیمہ مفاد ہے، اور یہ مفاد بہر صورت موجود رہتا ہے۔[29]

رہی یہ بات کہ ہر وہ عقد جو کسی حادثہ کے وقوع پذیر ہونے پر معلق ہو قمار' ہے، اور بیمہ ایسا ہی ہے، حالانکہ بیمہ تعاون و تکافل پر مبنی ہے۔ اس لیے تبرع ہے اور تبرعات میں مذکورہ بالا قاعدہ نہیں چلتا بلکہ تبرعات کے علاوہ میں بھی تعلیق مفسد عقد نہیں۔[30]

۴۔ جہاں تک بیمہ میں سود کے پائے جانے کا تعلق ہے تو اولاً واپس ملنے والی رقم مشترکہ فنڈ میں سے تعاون و تبرع کے طور پر دی جاتی ہے۔ نیز شریعت میں قرض پر ملنے والے اضافے کو سود سے تعبیر کیا گیا ہے، جب کہ یہاں جو رقم بطور پریمئم کے ادا کی جاتی ہے، وہ قرض نہیں ہے کہ اس پر ملنے والا اضافہ سود ہو بلکہ وہ تو بطورِ تبرع ایک طرح کی باہمی تعاونی تنظیم میں دی جانے والی رقم ہے۔[31]

۵۔ نیز بیمہ میں معمولی دھوکہ ہے، اور معمولی دھوکہ مالکیہ کے ہاں معاملہ کو فاسد نہیں کرتا۔ نیز یہ اگر کوئی تیسرا آدمی ضمانت لے تو فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔(32) سنت میں غرر کی بناء پر بعض معاملات سے اسی صورت میں روکا گیا ہے جب غرر بہت زیادہ ہو۔[33]

---

[29]۔ حسان، حسین حامد، ڈاکٹر، بیمہ کی شرعی حیثیت: اردو ترجمہ: عبد الرحیم اشرف بلوچ، ص: 15،16۔

[30]۔ مصدر سابق، ص: 10۔

[31]۔ صدیقی، نجات اللہ، ڈاکٹر، انشورنس، اسلامی معیشت میں: ص: 14-16۔

[32]۔ معصومی، محمد صغیر حسین، انشورنس، بیمہ یا تامین: (سہ ماہی) فکر و نظر، اکتوبر تا دسمبر، 1972ء، ص: 206،205۔

[33]۔ الزرقاء، مصطفى احمد، الدكتور، عقدالتامين (السوكرة) وموقف الشريعة الاسلامية : ص: 45۔

نیز اس میں بیع غرر کی ممانعت آئی ہے' نہ کہ مجرد غرر کی خواہ وہ زندگی کے کسی معاملہ میں پایا جائے۔[34]

مجوّزین کی رائے میں بیمہ دار جو رقم اقساط میں جمع کراتا ہے، اس سے زائد جتنی رقم بیمہ کمپنی پالیسی ہولڈر کو اپنی خوشی سے دیتی ہے، اسلامی شریعت میں اس کی حیثیت تبرع اور احسان کی ہوتی ہے، اور اصول یہ ہے کہ اگر ورثاء بھی اس رقم کو خوش دلی سے قبول کریں تو شریعت میں ایسا عطیہ لینے کی کوئی ممانعت نہیں ہے جو کسی شخص کو بطور احسان اور تبرع کے دی جائے۔[35]

مانعین کی طرف سے مجوّزین کے دلائل کے جوابات:

ا۔ مجوّزین کی ایک دلیل یہ تھی کہ بیمہ میں غرر، خطر اور قمار نہیں پایا جاتا۔ مجوّزین نے جو یہ فرق بیان کیا تھا کہ قمار میں موجود خطر کو انسان خود پیدا کرتا ہے، جب کہ انشورنس میں وہ خطر پہلے سے پایا جاتا ہے۔ مانعین نے اس قضیہ کا جواب یہ دیا ہے کہ انشورنس اور قمار دونوں میں جس چیز پر ہار جیت کو معلق کیا گیا ہے' وہ غیر اختیاری ہے۔ ہاں ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو انشورنس اور قمار دونوں اختیاری ہیں۔ قمار میں شرط لگانا اور بیمہ میں بیمہ کرانا۔ حاصل یہ ہے کہ انشورنس اور قمار میں اختیاری و غیر اختیاری کا فرق کرنا غلط ہے، نیز قمار کے وجود و عدم جود کے درمیان ملحوظ تین چیزیں ہیں جن کی ایک مثال سے وضاحت کی جاتی ہے۔

خالد اور عابد دو دوست ہیں۔ خالد نے کہا کہ ہمارا مکان بہت بوسیدہ ہے، برسات میں گر جائے گا۔ عابد (جو کہ انجنیئر بھی ہے) نے کہا کہ نہیں گر سکتا۔ دونوں میں اس پر بحث چلی' یہاں تک کہ دونوں میں طے ہو گیا کہ اگر مکان گر گیا تو عابد خالد کو دو لاکھ روپے دے گا بشرطیکہ خالد ابھی عابد کو پانچ ہزار روپے دے دے۔ اب یہاں مکان کا گرنا غیر

---

[34]۔الروحانی، السید محمد صادق الحسنی، العلامة، المسائل المستحدثة : ایران، قم، دار الفکر، 1384ھ، 72/1۔

[35]۔دار الافتاء المصریة،الفتاوی الاسلامیة : مصر، مطبوعة القاهرة، الطبعة الاولٰی، 1400ھ، 1399/4۔

اختیاری بھی ہے اور کچھ اس شرط پر موقوف بھی نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی گرنے کا خطرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موقوف علیہ (مکان کا گرنا) قمار کا سبب اس معاہدے کے بعد بنا، اس سے پہلے نہیں۔

اب اگر اس مثال پر انشورنس کو منطبق کر کے دیکھیں تو صورت حال یہ ہے کہ خالد بیمہ کرانے والا ہے۔ عابد بیمہ کمپنی ہے۔ مکان کا گرنا موقوف علیہ ہے، انشورنس کا معاہدہ اس مکان کے گرنے کی بازی لگانے کی جگہ ہے۔[36]

انشورنس کرانے والا انشورنس کرا کر ایسا خطرہ (پریمیئم کے ضائع ہو جانے کا خطرہ) مول لیتا ہے جو پہلے سے موجود نہ تھا یا اگر تھا تو خود اس کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انشورنس نہ کراتا اور اگر وہ انشورنس نہ کراتا تو اس رقم کے نقصان (پریمیئم کے نقصان) کا خطرہ اسے پیش نہ آتا۔[37]

۲۔ یہ کہنا کہ قمار میں ہزل ہے اور بیمہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے، لہٰذا بیمہ جائز ہے' یہ غلط ہے، اس لیے کہ قمار اگر پوری سنجیدگی کے ساتھ کیا جائے تو پھر بھی ناجائز ہی ہو گا۔[38]

۳۔ یہ دلیل کہ بیمہ میں غرر کا عنصر نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ تمام چیزیں معلوم و متعین ہوتی ہیں' غلط ہے، کیونکہ بیمہ میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی قسطوں کی ادائیگی کے بعد بیمہ کی رقم واجب الاداء ہو جائے گی۔[39]

۴۔ یہ دلیل کہ بیمہ میں قابل بیمہ مفاد اصل چیز ہے اور وہ یقینی ہے' غلط ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ مفاد مبیع بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ ثانیاً یہ کہ قسطوں کی ادائیگی اور متعین طور پر رقم کی مقدار بہر حال مجہول ہوتی ہے۔ باقی

---

[36]۔ سنبھلی، برہان الدین، مولانا، انشورنس فقہی نقطہ نظر سے (۲): اسلام اور عصر جدید، ص:74،70۔

[37]۔ مصدرِ سابق، ایضاً۔

[38]۔ کاکاخیل، سیاح الدین، سید، مروّجہ بیمہ کی شرعی حیثیت: فکر و نظر، اکتوبر تا دسمبر، 1985ء، ص:33،32۔

[39]۔ کیلانی، عبدالرحمن، مولانا (م:1995ء)، بیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا متبادل: المعارف، مدیر، پروفیسر سعید محمد شیخ، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، جنوری، 1979ء، ص18،17؛ محمد اکرم خان، بیمہ کی شرعی حیثیت: فکر و نظر، اکتوبر تا دسمبر، 1984ء، ص: 139۔

یہ بات کہ یہ تبرع ہے اور تبرعات بلکہ تمام معاملات میں تعلیق مقصد نہیں ہے' غلط نہیں ہے۔ حالانکہ بیمہ داروں کی طرف سے دی جانے والی رقم تبرع تو بالکل نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انشورنس کمپنی حادثہ کی صورت میں اگر رقم ادانہ کرے تو عدالت کے ذریعے وہ رقم واگزار کرائی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ اگر یہ تبرع واحسان ہے تو پھر کمپنی پر واپسی کی کوئی ذمہ داری نہیں ہونی چاہیے۔[40]

۵۔ زید نے خالد کو کہا: مجھے یہ قلم پانچ سو روپے میں ادھار پر فروخت کرو۔ زید کو ڈر ہے کہ خالد قلم خرید کر رقم ادا نہیں کرے گا۔ بکر کہتا ہے کہ میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ اگر خالد نے یہ رقم ادانہ کی تو زید خالد سے رقم وصول کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور بکر انکار نہیں کر سکتا۔ اب چونکہ زید کا حق محفوظ رکھنے کی خاطر شریعت بکر کو مجبور کرتی ہے کہ وہ رقم ادا کرے' تاکہ حق دار کا حق مارا نہ جائے اور یہ بکر کا وعدہ قضاءً واجب ہو جائے گا۔ اس کا مطلب بالکل یہ نہیں ہے کہ پہلے سے کوئی وعدہ ہی نہ ہو۔ ایک مبہم امر کے وجود پر ایک شخص وعدہ کرے کہ اگر نقصان ہو گیا تمہارا تو میں ادا کروں گا جب کہ جس شخص سے وعدہ کر رہا ہے' وہ ایک مخصوص رقم (پریمئم) بطورِ قرض یا تبرّع ادا کر چکا ہے۔ اگر قرض قرار دیں تو اضافہ سود ہے، اور اگر تبرع قرار دیں تو تبرع پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا دونوں وعدوں میں بعد المشرقین ہے۔[41]

۶۔ ایک شخص راہگیر کو راستہ بتلاتے ہوئے کہتا ہے کہ تم اس راستے سے جاؤ، اگر نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں گا، اگر اس جزئیہ کو مستدل بنایا جائے کہ تو اب نقصان کی صورت میں ادئیگی اسی کے ذمہ لازم ہو گی۔ اس جزئیہ کے حوالے سے جواباً عرض ہے کہ کفالت بالمال کا تعلق ایسے حق سے ہوتا ہے جو کسی کے ذمہ ثابت ہو، جب کہ یہاں بیمہ میں بیمہ دار کا حق کسی پر ثابت نہیں ہوتا' بلکہ خود اس کا اپنا نقصان ہوتا ہے جس کی تلافی بیمہ کمپنی کرتی ہے۔ البتہ

---

[40]۔ محمد اکرم خان، بیمہ کی شرعی حیثیت: فکر و نظر، ص140۔
[41]۔ کاکاخیل، سیاح الدین، سید، مروجہ بیمہ کی شرعی حیثیت: فکر و نظر، ص: 40-43 ملخصاً۔

حادثات کے بیمہ کی صورت میں بیمہ دار کے ذمہ نقصان پہنچنے والے کا حق واجب ہوتا ہے لیکن یہ حق بھی بیمہ کا معاہدہ طے کرتے وقت موجود نہیں ہوتا' جب کہ جو دیون و حقوق معاملہ طے کرتے وقت ثابت اور موجود ہوں، کفالہ انہی کا ہوتا ہے۔[42]

۷۔ یہ بات کہ بیمہ میں جہالت معمولی درجہ کی ہے، اور فقہاءِ مالکیہ کے ہاں معمولی جہالت قابل درگزر ہے، غلط ہے۔ اس لیے کہ مالکیہ میں سے امام قرافی نے لکھا ہے کہ مالی معاملات میں میعاد کے بارے میں لاعلمی ان معاملات کو متاثر کرتی ہے۔[43]

اب خود فیصلہ کیا جائے کہ موت کو بطور میعاد مقرر کرنا کیا شدید ترین نوعیت کا دھوکہ نہ ہوگا۔[44]

۸۔ یہ دلیل کہ بیمہ دار کی دی جانے والی رقم تبرّع ہے' لہٰذا واپس ملنے والا اضافہ سود نہیں۔ اس دلیل کا واضح البطلان ہونا تو پچھلے صفحات میں ثابت ہو گیا۔ باقی یہ بات کہ فاحشہ عورت کی اجرت میں دیے جانے والے پیسے اجیر کے لیے حلال ہیں، لہٰذا بیمہ کمپنیوں کے اصل جمع شدہ قسطوں کی رقم سے زائد پیسے بھی جائز ہیں، بدیہی طور پر غلط لگتی ہے۔ وجہ اظہر من الشمس ہے کہ وہاں ایک اجیر نے اپنی اجرت کا معاوضہ لیا ہے، جب کہ یہاں بیمہ کمپنی زائد رقم کسی عمل، خدمت یا کام کے معاوضے میں نہیں دے رہی بلکہ اصل جمع شدہ رقم پر بطورِ اضافہ دے رہی ہے جو سراسر سود ہے۔[45]

---

[42]۔ رحمانی، خالد سیف اللہ، جدید فقہی مسائل: 4/65۔ 68۔

[43] ۔القرافی، احمد بن ادریس المالکی، شهاب الدین، ابوالعباس (م: 684ھ)، انوار البروق فی انواء الفروق : الفرق بین قاعدة مایجوز من السلم۔۔۔، لبنان، بیروت، مطبوعة عالم الکتب، س ن، 265/3۔

[44]۔ حسین حامد حسان، ڈاکٹر، بیمہ کی شرعی حیثیت: اردو ترجمہ: عبد الرحیم اشرف بلوچ، ص94۔

[45]۔ کاکاخیل، سیاح الدین، سید، مروجہ بیمہ کی شرعی حیثیت: فکر و نظر، ص43-45۔

نتیجہ مبحث:

راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ بیمہ کی تمام صورتیں ناجائز و حرام ہیں، کیونکہ ان سب صورتوں میں سود، قمار اور غرر و دھوکہ پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سود سے منع فرمایا گیا ہے، ایک آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰو أَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً[46]

"اے ایمان والو! سود کو دوگنا چوگنا کر کے نہ کھاؤ۔"

امام جصاص حنفی احمد بن علی ابو بکر الرازی رحمۃ اللہ علیہ قمار کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وَلَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَحْرِيمِ الْقِمَارِ، وَأَنَّ الْمُخَاطَرَةَ مِنْ الْقِمَارِ، قَالَ ابْن عَبَّاسٍ: إنَّ الْمُخَاطَرَةَ قِمَارٌ۔"[47]

" قمار حرام ہے، اس کی حرمت کے بارے میں علماء کے مابین ہرگز اختلاف نہیں ہے، اور مخاطرہ بھی قمار کی ایک قسم ہے۔ امام المفسرین حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مخاطرہ قمار ہی ہے۔"

امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بیمہ پالیسی کی بابت دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ بالکل قمار (جوا) ہے، اور محض باطل ہے کہ کسی شرعی قاعدہ کے تحت داخل نہیں ہے۔[48]

---

[46]۔آلِ عمران : 3 : 130۔

[47]۔الجصاص، احمد بن علی الحنفی، ابوبکر الرازی، (م: 370ھ)، أحکام القرآن : سورۃالبقرۃ، باب تحریم المیسر، تحقیق: عبد السلام محمد علی شاھین، لبنان، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولی، 1415ھ، 11/2۔

[48]۔بریلوی، احمد رضا خان قادری، العطایاالنبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (فتاویٰ رضویہ): 17/365۔

بیمہ کی حرمت کے بہت سے اسباب ہیں، جن میں سے ایک سبب حرمت وارث کے لیے وصیت کرنا بھی ہے، جب کہ اسلام میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ بیمہ حیات میں پالیسی ہولڈر موت کی صورت میں بیمہ کی رقم وصول کرنے کے لیے اپنے کسی وارث کو نامزد کر دیتا ہے، اور بیمہ کی رقم مرنے کے بعد نامزد کردہ شخص کو ملتی ہے۔ در حقیقت یہ نامزدگی وصیت ہے، جب کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق وارث کے لیے وصیت نہیں کی جاسکتی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں وارثین کے حصص متعین اور واضح فرمادیے ہیں۔ ایک حدیث مبارک میں حضور امام الانبیاء ﷺ کا ارشادِ عالی قدر ہے:

"لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔"[49]

"وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔"

البتہ صرف ایک صورت ایسی ہے جس میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیمہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، وہ ہے کفار کی کمپنیوں سے انشورنس کرانا۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی جو توضیح فرمائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ بیمہ کمپنی جس کے ساتھ بیمہ پالیسی خریدی جارہی ہے، اگر تو اس کمپنی میں کوئی مسلمان شخص بھی شریک ہے تو یہ معاملہ مطلقاً حرام قطعی ہے، کیونکہ یہ قمار ہے، اور اس پر جو زیادتی ہے' وہ ربا ہے، اور یہ دونوں یعنی قمار اور ربا حرام ہیں، اور سخت گناہ کبیرہ ہیں۔ اور اگر اس بیمہ کمپنی میں کوئی مسلمان بالکل شریک نہیں ہے تو پھر اس کے ساتھ بیمہ کا معاملہ کرنا جائز ہے، لیکن اس کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ اس پالیسی کی بنا پر حفظان صحت وغیرہ کا لالچ دے کر کسی معصیت و گناہ پر مجبور نہ کیا جاتا ہو۔ اس کے جواز کا سبب یہ ہے کہ اس میں بظاہراً اپنے نقصان کا کوئی اندیشہ موجود نہیں ہے، یعنی اگر وہ بیس سال زندہ رہا، تو پورا روپیہ بلکہ زیادہ ملے گا، اور اگر پالیسی مکمل ہونے سے قبل فوت ہو گیا تو ورثاء کو اور اضافی رقم ملے

[49]۔الہندی، علی بن حسام الدین المتقی البرہان فوری، الامام(م: 975ھ)، کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال : کتاب الاحکام، تحقیق : بکری حیانی، لبنان، بیروت، صفوۃ السقا، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبع الاوّل، 1401ھ، 616/16۔

گی۔ مثال کے طور پر اگر پالیسی ہولڈر ایک سال کے بعد ہی وفات پا گیا تو اس نے صرف دو سو چالیس روپے اور چار آنے ادا کیے، مگر اسے پانچ ہزار روپے مل گئے۔ البتہ اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ خیال رکھے کہ اسے اس کی اپنی رقم سے جو زائد پیسے دیے جائیں' وہ اس رقم کو ربا (سود) سمجھ کر نہ لے، بلکہ (وہ ان پیسوں کو غنیمت سمجھ کر وصول کرے، اور) یہ خیال کرے کہ اسے غیر مسلم کا مال اس کی خوشی سے بلا عذر ملا، اس لیے یہ پیسے اس کے لیے حلال ہیں۔[50]

پاکستان میں تکافل کمپنیوں کا تعارف

پاکستان میں متعدد تکافل کمپنیاں اہل وطن کو اپنی خدمات فراہم کر رہی ہیں جن میں سے پاک قطر فیملی تکافل، سلام تکافل لمیٹڈ، آدم جی تکافل فیملی اور داوٗد فیملی تکافل زیادہ مشہور ہیں۔ یہ تکافل کمپنیاں شریعت کے بیان کردہ اصول وضوابط کے مطابق عوام الناس کو مروّجہ انشورنس کا متبادل پیش کرتی ہیں۔ ان تمام کمپنیوں کو سکیورٹی اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان (SECP) کی طرف سے پابند کیا گیا ہے کہ ہر کمپنی کم از کم تین مستند اور فقہ المعاملات کے ماہر فقہاءِ کرام ومفتیان عظام پر مشتمل ایک شریعہ سپروائزری بورڈ قائم کرے۔ اس بورڈ کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ کمپنی کے جملہ امور کی شرعی طور پر نگرانی کرتا ہے، اور کمپنی کو پیش آنے والے مسائل پر انہیں شرعی رہنمائی مہیا کرتا ہے۔

تکافل کمپنیاں بالعموم شرکاء(Participants)سے حاصل شدہ رقوم(Contributions) کو اسلامی بینکوں، صکوک اور اُن کمپنیوں میں جن کی شریعہ سپروائزری بورڈ نے اجازت دی ہو' سرمایہ کاری کرتی ہیں، اور وہاں سے حاصل شدہ منافع کو اس طریقے سے شرکاء میں تقسیم کرتی ہیں جو پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے۔

---

[50]۔ بریلوی، احمد رضا خان، العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (فتاویٰ رضویۃ): 23/595 بتصرف یسیر۔

تکافل کمپنیوں کے کام کرنے کا طریقۂ کار:

پاکستان میں موجود تکافل کمپنیاں کیسے کام کرتی ہیں؟ مفتی سید صابر حسین نے ان کا تفصیلی طریقۂ کار بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اب ہم اس طریقے کا خلاصہ مختصراً ذکر کرتے ہیں:

۱۔ شیئر ہولڈرز سب سے پہلے مشارکت کے اصول و قوانین کے مطابق آپس میں ایک تکافل کمپنی تشکیل دیتے ہیں۔ اس کمپنی کا ہر شیئر ہولڈر پہلے سے طے شدہ حساب سے تکافل فنڈ میں اپنی رقم جمع کراتا ہے، جس کو ابتدائی راس المال(Paid up capital) کہا جاتا ہے۔ نیز اس کمپنی کے قواعد وضوابط قلم بند کیے جاتے ہیں، اور اس کے کام کرنے کا طریقۂ کار وضع کیا جاتا ہے، پھر متعلقہ حکومتی ادارے سے اس کی منظوری لی جاتی ہے تاکہ کمپنی قانونی عمل کے ذریعے معرض وجود میں آجائے۔ یہ تکافل کمپنی شخص معنوی یا شخص قانونی کی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ ابتدائی راس المال سے ممبران کی طرف سے جو مشترکہ سرمایہ تشکیل پاتا ہے، اس کو شیئر ہولڈرز فنڈ(SHF) کہا جاتا ہے، اور اس کے مالک شیئر ہولڈرز ہی ہوتے ہیں۔

۲۔ اس کے بعد اسلامی فقہ المعاملات کے ماہرین علماء و اسکالرز پر مشتمل ایک شریعہ بورڈ کا قیام بھی عمل میں لایا جاتا ہے، جس میں کم از کم تین علماء کا ہونا ضروری ہے۔ اس شریعہ بورڈ کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ تکافل کمپنی کی اساس سے لے کر اس کے جملہ امور مالیہ کی انجام دہی کے ہر قدم پر شریعت کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرے، اور تکافل کمپنی کے ہر طرح کے معاملات کی مکمل طور پر نگرانی بھی کرتا رہے، تاکہ سرمایہ اصول شرعیہ کے مطابق خرچ کیا جاسکے، اور کسی بھی قسم کے غیر شرعی فعل سے بچا جاسکے۔

۳۔ شریعہ بورڈ کا اہم فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی اوقاف کے قواعد شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے کچھ کاغذات تیار کرتا ہے، جن میں واقف، موقوف علیہم، متولی، مالِ وقف، آمدن وقف اور مصارفِ وقف وغیرہ سے متعلق اصول و قوانین تفصیلی طور پر تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ دستاویزات ہی اہم ترین کاغذات ہوتے ہیں، اور در

حقیقت یہی وہ اساسی قوانین ہیں جو تکافل کمپنی کو بیمہ کمپنی سے ممتاز بھی کرتے ہیں، اور اس کے لائحہ عمل کی شریعت اسلامیہ کے اصول وضوابط سے مطابقت بھی پیدا کرتے ہیں۔

۴۔ اس کے بعد شیئر ہولڈرز باہم مل کر ایک خاص سرمائے سے وقف تشکیل دیتے ہیں، اور اس کا نفع موقوف علیہم پر صدقہ کر دیتے ہیں، یوں وہ ان پیسوں کے مالک نہیں رہتے، بلکہ وہ پیسے اللہ تعالیٰ کی ملک میں چلے جاتے ہیں۔ اس مقام پر ایک وضاحت کرنا لازم ہے کہ اصل وقف سرمایہ تشکیل دینے کے لیے جو دولت مختص کی جاتی ہے، ضروری ہے کہ اس کے عوض ایک غیر منقولہ جائیداد خریدی جائے، تاکہ اس سے نفع حاصل ہوتا رہے، اور جو عطیات بطور تبرع واحسان دیے گئے، ان کی وجہ سے فنڈ کی آمدن بھی مزید بڑھتی رہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ ایک مشروط وقف ہوتا ہے، اور طے شدہ شرائط وضوابط کے تحت صرف عطیہ دہندگان ہی اس کے موقوف علیہم (Beneficiaries) بن سکتے ہیں۔ اس وقف کا مقصد مستقبل میں موقوف علیہم کے معہود نقصانات کا ازالہ کرنا ہے، یہ سب قواعد اور شرائط وقف نامہ کے کاغذات میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس وقف کا نام Participant Takaful Fund (PTF) ہے، اور یہ "ملک للہ" ہوتا ہے۔

۵۔ تکافل کے ادارے کا سربراہ (سی ای او) ہی اس کا چیف کنٹرولر (متولی) ہوتا ہے۔ وہ وقف نامہ کی دستاویزات کی روشنی میں کمپنی کے تمام امور سرانجام دیتا ہے۔ یہ متولی ہی ہوتا ہے جو کمپنی کے معاملات چلانے کے لیے مالی امور کے ماہر ایسے لوگوں کی تقرری کرتا ہے، جو اسلامی وقف کے قوانین اور اصولوں کے مطابق ساری ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں۔

۶۔ مذکورہ بالا تمام امور سرانجام دینے کے بعد اب مرحلہ آتا ہے تکافل کے مشترکہ وقف فنڈ میں عطیات دینے کا، لہٰذا ایسے اشخاص یا ادارے جو پہلے سے طے شدہ خصوصی شرائط کی رو سے اس مشترکہ سرمائے میں عطیات جمع کراتے ہیں، وہ سبھی اس کے موقوف علیہم بن جاتے ہیں۔ دیے گئے عطیات کو (Contributions) کہتے ہیں۔ تکافل وقف فنڈ میں عطیات دینے والے تمام عطیہ دہندگان کی حیثیت شراکت داریا(Participants)

کی ہوتی ہے، تاہم عطیات ان کی ملکیت سے نکل کر وقف سرمائے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح عطیات جمع کرانے کے بعد وہ سب افراد یا ادارے موقوف علیہم بن جاتے ہیں جن کو(Beneficiaries) کہا جاتا ہے، اور یہ سب موقوف علیہم حسبِ ضرورت مشترکہ وقف فنڈ سے نفع اٹھا سکتے ہیں۔

۷۔ وقف نامہ کی دستاویزات میں جن اختیارات کی تفصیلات دی جاتی ہیں، ان کی رو سے تکافل کمپنی شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتی ہے، اور شریعہ بورڈ کی ہدایات کی روشنی میں تبرع واحسان اور مضاربت ومشارکت کی بنیاد پر ایسے عقود مالیہ کی وضاحت کرتی ہے، جو عصر حاضر میں افراد یا اداروں کی آئندہ کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ ان مالی عقود کو تاجروں کی اصطلاح میں پیداوار (Products) کہا جاتا ہے۔ ان مصنوعات کی منظوری شریعہ بورڈ دیتا ہے، اور ان کے اصول شرع کے مطابق ہونے کی سند(Shariah Compliant Certificate) جاری کرتا ہے۔ اس کے بعد متعلقہ حکومتی اداروں سے بھی اس کو منظور کرایا جاتا ہے، تاکہ شرعی اور قانونی تقاضے مکمل ہو جائیں۔

۸۔ اس کے بعد وہ پروڈکٹ(Product) عوام الناس کی خدمت میں پیش کر دی جاتی ہے۔ جب بھی کوئی شخص یا ادارہ اس پروڈکٹ کو خریدتا ہے، تو اس وقت وہ ایک عطیہ دیتا ہے جو مشترکہ وقف سرمائے کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس شخصی فیملی تکافل میں وقف سرمائے کے علاوہ ایک اور فنڈ بھی قائم کیا جاتا ہے جو شرعی مضاربت کے اصولوں پر کام کرتا ہے، اس دوسرے فنڈ کو(Participant Investment Fund) کہا جاتا ہے۔ اس میں جو رقم دی جاتی ہے Fund اس کی ملکیت عطیہ دہندگان کے پاس ہی رہتی ہے۔ کمپنی مضارب کی حیثیت سے اس رقم سے شریعت کے مطابق کاروبار کرتی ہے اور طے شدہ طریقہ کار کے مطابق شرکاء کا حصہ ان کے کھاتے میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ انشورنس اور تکافل کمپنی میں یہی سب سے بڑا فرق ہے کہ انشورنس کمپنی میں حاصل ہونے والا پریمئم براہِ راست انشورنس کمپنی کی ملکیت میں چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ عقد معاوضہ بن جاتا ہے۔ اور چوں کہ انشورنس میں عقدِ معاوضہ کی شرائط کا خیال نہیں رکھا جاتا، اس کی وجہ سے اس میں شرعی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، جو

اس عقد (انشورنس) کو ناجائز کر دیتی ہیں۔ اس بنا پر اسلام میں انشورنس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، اور تکافل کو ایک متبادل ذریعہ کے طور پر سامنے لایا گیا ہے۔

تکافل اور ری تکافل:

بیمہ کمپنیز کی طرح تکافل کمپنیز کے پاس بھی ری تکافل (Re-Takaful) کی سہولت ہوتی ہے تاکہ کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تکافل کمپنی اپنے عطیہ دہندگان کی ضرورت کو پورا نہ کر سکے تو وہ ری تکافل کے ذریعے اس کمی کو پورا کر سکے، اور تکافل کی طرح یہ ری تکافل بھی شرعی اصولوں کے مطابق ہی کروائی جاتی ہے، اور دنیا بھر میں اس کے کئی ماڈلز متعارف ہیں۔[51]

بیمہ اور تکافل میں تعزیر بالمال کی مروّجہ صورتوں کی شرعی حیثیت

موجودہ انشورنس سسٹم میں سود، غرر اور قمار کے علاوہ مالی جرمانے کی مختلف صورتیں رائج ہیں جو یہ ہیں:

1۔ اگر کبھی بیمہ پالیسی ہولڈر کو قرض کی اشد ضرورت ہو اور وہ کمپنی سے قرض مانگے، تو انشورنس کمپنی اسے قرض کی سہولت تو فراہم کرتی ہے، جو خوش آئند طرز عمل ہے، مگر واپسی پر اس سے اضافی رقم وصول کرتی ہے جو سراسر سود ہے، اور حرام وسخت گناہ ہے۔ حضرت سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا۔"[52]

---

[51]۔ سیّد صابر حسین، مفتی، سرمایہ کاری کے شرعی احکام: المنیب شریعہ اکیڈمی، کراچی، پاکستان، طبع دوم، 2013ء، ص: 307۔311 بتصرف۔

[52]۔الزيلعي، عبد الله بن يوسف الحنفي، ابومحمد، جمال الدين (م: 762ھ)، نصب الراية لاحاديث الهداية : كتاب الحوالة، تحقيق: محمد عوامة، لبنان، بيروت، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، الطبعة الاولى، 1415ھ، 60/4۔

"ہر وہ ادھار جس سے منافع حاصل ہو، وہ در اصل سود ہی ہے۔"

لہٰذا اس حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ بیمہ ساز کمپنی کا اپنے کلائنٹ یا کسی بھی شخص کو سودی قرض دینا، اور ایسا کاروبار کرنا جو سودی معاملات پر مشتمل ہو' جائز نہیں ہے، اور اس سے ہر حال میں گریز لازم ہے۔

جہاں تک تکافل کمپنی کا تعلق ہے تو وہ اپنے کلائنٹ کو قرض دیتی ہے، لیکن اس شرط پر کہ اس کی جمع شدہ کل رقم میں سے کم از کم تیس ہزار روپے باقی ہونے لازم ہیں۔ یعنی تیس ہزار روپے کمپنی کے پاس چھوڑ کر کلائنٹ اپنی بقیہ رقم بطورِ قرض لے سکتا ہے، اور تکافل کمپنی اس قرض کی واپسی پر کوئی جرمانہ بھی چارج نہیں کرتی، لہٰذا قرض کی یہ صورت جائز ہے۔

2۔ اگر کسی شخص نے بیمہ کی قسط ادا کرنا بند کر دی تو اسے کمپنی کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک مخصوص و معین مدت کے اندر اگر چاہے' تو قسط دوبارہ شروع کر سکتا ہے، البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ درمیان کی ساقط شدہ جملہ اقساط یکمشت ادا کرے، اور ان کے ساتھ ساتھ سودی جرمانہ بھی ادا کرے۔[53]

بیمہ پالیسی میں یہ صورت بھی تعزیر بالمال کی ہے جو کہ شریعت اسلامیہ کے اصولوں کے صریحاً خلاف ہے، اور واضح سودی معاملے پر مشتمل ہے، لہٰذا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو کمپنی کو چاہیے کہ سود لیے بغیر اس شخص کی گزشتہ قسطیں جمع کر لے، اور بیمہ کی مقررہ مدت کے بعد جب اس فرد کو اس کی کل رقم مع منافع دی جائے تو اس سے اس تناسب سے اتنی رقم منہا کر لی جائے جتنا عرصہ اس نے قسطیں جمع نہیں کرائیں، اور اس کے پیسے کاروباری معاملات میں صرف نہیں ہوئے۔ اس لیے ایسے شخص کو دوسرا شخص جس نے تمام قسطیں جمع کرائی

---

[53]۔ امینی، محمد تقی، مولانا (م: 1991ء)، اسلام اور جدید دور کے مسائل: کراچی، قدیمی کتب خانہ، س ن، ص: 184۔

ہیں' کے مقابلے میں اتنے پیسے کم دیے جائیں جتنا عرصہ اس کا پیسہ کاروباری دائرۂ کار سے باہر رہا۔ اگر ایسا کیا جائے تو شرعی طور پر یہ جائز ہے، اور تکافل کمپنیز ایسی صورت میں یہی طرزِ عمل اختیار کرتی ہیں۔

3۔ جس شخص نے بیمہ پالیسی لے رکھی ہو، اگر وہ دو یا تین قسطیں جمع کرانے کے بعد کسی وجہ سے پالیسی کو ختم کرنا چاہے، یا کسی وجہ سے بقیہ قسطیں جمع نہ کرا سکے' تو اس کی جمع شدہ رقم بھی اس کو واپس نہیں کی جاتی، یعنی اس کی رقم واپس نہ کر کے بغیر کسی جرم کے اس پر مالی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے جو کہ جائز نہیں ہے، اور صریحاً ظلم و زیادتی ہے۔ کیونکہ اس طرح مالی جرمانہ کے طور پر بغیر کسی عوض کے مسلمان کا مال لینا باطل اور ناحق طریقے سے ہڑپ کرنے جیسا ہے، جب کہ قرآن و حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[54]

"اور (اے لوگو!) تم باہم ایک دوسرے کے مالوں کو باطل طریقے سے نہ کھاؤ، اور ان اموال کا مقدمہ حاکموں کے پاس بھی لے کر نہ جاؤ، تاکہ اس طرح تم جانتے بوجھتے ہوئے گناہ کے ساتھ لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ ہڑپ کر جاؤ۔"

قرآن مبین میں ایک اور آیت کریمہ میں اللہ کریم کا ارشادِ گرامی قدر ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ[55]

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے! تم آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناجائز طور پر نہ کھاؤ، مگر یہ کہ وہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت (کے اموال) ہوں۔"

---

[54]۔ البقرۃ : 2 : 188۔

[55]۔ النساء : 4 : 29۔

حدیث میں سیدنا عبد اللہ بن عباس ﷟ روایت فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَلَا وَإِنَّ الْمُسْلِمَ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَحِلُّ لَه دَمُه وَلَا شَيْءٌ مِنْ مَالِه إِلَّا بِطِيبِ نَفْسِه۔"[56]

"خبردار! مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس کے لیے اس کا خون حلال نہیں ہے اور نہ ہی اس کے مال میں سے کوئی چیز اس کے لیے حلال ہے، مگر یہ کہ وہ اس کی دلی رضا مندی کے ساتھ ہو۔"

ایک دوسری حدیث شریف میں حضرت سیدنا عمار بن یاسر ﷟ فرماتے ہیں کہ میں نے محبوب رب العالمین ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر سنا، آپ ﷺ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے:

"فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا۔"[57]

"پس بے شک تمہارے خون، اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں، جیسے تمہارے اس مہینے (ماہِ ذی الحجہ) میں، اور تمہارے اس شہر (مکۃ المکرمہ) میں، تمہارے اس دن (یومِ عرفہ) کی حرمت ہے۔"

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کے اموال باطل طریقے سے کھانے کو ناجائز قرار دیا ہے، اور موجودہ انشورنس سسٹم میں مسلمان کے مال کو بغیر کسی وجہ کے ہڑپ کر جانا اسے باطل طریقے سے کھانا ہے جو کہ ناجائز ہے، لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ بیمہ پالیسی میں مروّجہ تعزیر

---

[56]۔الدارقطنی، علی بن عمر بن احمد البغدادی، ابوالحسن (م: 385ھ)، السنن : تحقیق: کتاب البیوع، تحقیق: شعیب الارنوؤط وغیرہ، لبنان، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1424ھ، الرقم: 2881، 422/3۔

[57]۔الموصلی، احمد بن علی التمیمی، ابویعلیٰ (م: 307ھ)، المعجم : باب العین، تحقیق: ارشاد الحق اثری، الباکستان، فیصل آباد، ادارۃ العلوم الاثریۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1405ھ، الرقم: 243، ص: 204۔

بالمال کی یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ سبب شرعی کے بغیر کسی مسلمان کا مال لینا دوسرے مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

البتہ تکافل کمپنیز میں اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ بیمہ پالیسی ہولڈر دو یا تین اقساط ادا کرنے کے بعد بقیہ قسطیں جمع نہ کرا سکے تو وہ اداشدہ پیسوں سے دفتری اخراجات وغیرہ وضع کرلیتی ہے، کیونکہ حق الخدمت کے طور پر اپنے ضروری اخراجات لینا کمپنی کا شرعی حق ہے۔ اور جو رقم باقی بچے' وہ متعلقہ شخص کے سپرد کر دیتی ہے، یہ بالیقین جائز اور مستحسن امر ہے۔

4۔ انشورنس سسٹم میں تعزیر بالمال کی متعدد صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مال کے بیمہ میں مکان، دوکان، مویشی، جائیداد وغیرہ کی انشورنس کرائی جاتی ہے کہ اگر اس چیز کو کوئی نقصان پہنچے، یا یہ کسی طرح ضائع ہو جائے تو کمپنی مقررہ رقم ادا کرنے کی پابند ہوگی، اور اگر کوئی ناگہانی صورت پیش نہ آئی تو بیمہ دار کو کچھ نہیں ملے گا، جب کہ وہ مقررہ مدت تک مقررہ قسط ادا کرتا رہے گا۔ اسی طرح ذمہ داریوں کے بیمہ میں پالیسی ہولڈر ادارے کو مقررہ قسط ادا کرتا رہتا ہے تاکہ کمپنی مقررہ ذمہ داری کو بیمہ دار کی طرف سے ادا کرے، مثال کے طور پر ٹریفک حادثات میں ہلاکت کے جرمانہ کی ذمہ داری۔ گاڑی کا مالک اس غرض سے اپنی گاڑی کا بیمہ کراتا ہے کہ اگر اس کی گاڑی کو حادثہ پیش آجائے اور اس کے نتیجے میں کسی آدمی کی جان چلی جائے تو مقتول کے ورثاء کو جو مالی تاوان ادا کرنا پڑے گا' وہ انشورنس کمپنی ادا کرے گی، اور اگر گاڑی کو کبھی حادثہ پیش نہ آئے تو بیمہ دار کو کچھ واپس نہیں ملے گا۔[58]

[58]۔ رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، جدید فقہی مسائل: انشورنس کا مسئلہ، 4/ 62-63 تلخیصاً۔

5۔ بیمہ پالیسی میں تعزیر بالمال کی ایک اور صورت یہ ہے کہ جس شخص نے بیمہ پالیسی لے رکھی ہے' اس پالیسی کے میچور ہونے کے وقت سے پہلے اگر وہ بیمہ دار وفات پا جائے تو کمپنی اس بات کی پابند ہے کہ وہ معاہدہ کے مطابق پالیسی کی کل رقم ادا کرے، حالانکہ پالیسی ہولڈر نے ابھی تک تمام اقساط کی رقم ادا نہیں کی۔[59]

انشورنس پالیسی کے حوالے سے مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں قمار اور غرر پایا جاتا ہے کہ اگر مکان، دوکان، مویشی، جائیداد وغیرہ کا نقصان ہو جائے، یا گاڑی کو حادثہ پیش آجائے، یا بیمہ پالیسی ہولڈر فوت ہو جائے تو ان صورتوں میں بیمہ دار کا فائدہ ہے، اور اگر کوئی نقصان نہ ہو تو کمپنی کا فائدہ ہے جو کہ قمار اور غرر ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ مفتی محمد وقارالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ہر قسم کا بیمہ ناجائز ہے۔ یہ دین اسلام کا قاعدہ ہے کہ جو کسی کا مالی نقصان کرے گا' وہی ضامن ہو گا، اور بقدرِ نقصان تاوان دے گا۔

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ[60]

"پس وہ شخص جس نے تم پر زیادتی کی' تم بھی اس کے خلاف ویسا ہی اقدام کرو، جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔"

> لہٰذا چوری، ڈکیتی، آگ لگنے اور ڈوبنے وغیرہ کا بیمہ ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مال کا نقصان انشورنس کمپنی نے نہیں کیا تو وہ تاوان کیوں دے گی؟ پھر زندگی کے اور دیگر ہر قسم کے بیمہ میں جوا بھی شامل ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے بیمہ کی کتنی قسطیں ادا کرے گا کہ موت آجائے گی، اور وہ

---

[59]۔ امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل: ص:183۔

[60]۔ البقرة : 2 : 194۔

پوری رقم (جتنے کا بیمہ تھا) اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔ اور اگر زندہ رہ گیا تو دی ہوئی رقم مع سود کے واپس کر دی جائے گی۔ غرض یہ کہ بیمہ محرمات کا مجموعہ ہے۔ اب (پروپیگنڈا کرنے کے لیے) یہ کہا جارہا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے لوگوں سے جو روپیہ لیا جاتا ہے' وہ ان لوگوں کو دے دیا جاتا ہے جن کا نقصان ہوتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جتنا روپیہ وصول کیا جاتا ہے' وہ ان لوگوں کی اجازت سے جن سے لیا گیا ہے، اگر نقصان زدہ میں تقسیم کر دیا جائے تو پھر انشورنس کمپنیاں کروڑوں روپے کہاں سے کماتی ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ عذر صرف لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے گھڑے گئے ہیں۔"[61]

تکافل کمپنی میں یہ ہوتا ہے کہ شیئر ہولڈرز رقم کی ایک مخصوص مقدار کو للہ فی اللہ وقف کر دیتے ہیں، اور اس سے حاصل شدہ منافع موقوف علیہم پر صدقہ کر دیتے ہیں۔ نیز یہ ایک مشروط وقف ہوتا ہے جس کے ذریعے موقوف علیہم افراد کے مستقبل کے اُن نقصانات کی تلافی کرنا مقصود ہوتا ہے، جن کا ان عطیات دہندگان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے، اور یہ وقف "ملک للہ" ہوتا ہے، لہٰذا یہ جائز ہے۔

خلاصۂ بحث

سترہویں صدی عیسوی میں انشورنس کے عروج کا سب سے بڑا سبب سرمایہ دارانہ نظام کے تحت سود اور سٹے کی ترویج تھی، اور اس پر اوّلین فقہی رائے تیرہویں صدی ہجری کے مشہور حنفی عالم ابنِ عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ملتی ہے۔ عصرِ حاضر میں جمہور فقہاءِ کرام انشورنس یا بیمہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور ان کے ہاں انشورنس کی تمام اقسام سود، غرر اور قمار کے باعث حرام ہیں۔

---

[61]۔ رضوی، محمد وقارالدین قادری، مفتی (م:1410ھ)، وقارالفتاویٰ: ترتیب: مولانا محمد شعیب رضوی، بزمِ وقارالدین، جامع مسجد گلفشاں، 4۔بلاک، فیڈرل بی ایریا، کراچی، پاکستان، س ن، 1/240۔

پاکستان میں پاک قطر فیملی تکافل، سلام تکافل لمیٹڈ، آدم جی تکافل فیملی اور داؤد فیملی تکافل جیسی متعدد تکافل کمپنیاں شریعت کے بیان کردہ اصول وضوابط کے مطابق عوام الناس کو مروّجہ انشورنس کا متبادل نظام پیش کر کے اپنی خدمات فراہم کررہی ہیں۔ یہ تکافل کمپنیاں بالعموم شرکاء(Participants) کی رقوم(Contributions) کو اسلامی بینکوں، صکوک اور اُن کمپنیوں میں جن کی شریعہ سپروائزری بورڈ نے اجازت دی ہو' سرمایہ کاری کرتی ہیں، اور وہاں سے حاصل شدہ منافع کو اس طریقے سے شرکاء میں تقسیم کرتی ہیں جو پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے۔

انشورنس سسٹم میں تعزیر بالمال کی صورتیں یہ ہیں کہ اگر پالیسی ہولڈر کو ادھار کی ضرورت ہو تو انشورنس کمپنی اسے قرض تو دے دیتی ہے مگر واپسی پر اس سے سود سمیت اضافی رقم وصول کرتی ہے۔ اگر کسی شخص نے بیمہ کی قسط ادا کرنا بند کردی تو اسے کمپنی کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک مقررہ وقت کے اندر اگر چاہے' تو اپنی قسط دوبارہ شروع کرسکتا ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ درمیان کی ساقط شدہ تمام قسطوں کی مع سودی جرمانہ یکمشت ادائیگی کرے۔ جس شخص نے بیمہ پالیسی لے رکھی ہو، اگر وہ دو یا تین قسطیں جمع کرانے کے بعد کسی وجہ سے پالیسی کو ختم کرنا چاہے، یا کسی وجہ سے بقیہ قسطیں جمع نہ کرا سکے' تو اس کی جمع شدہ رقم واپس نہیں کی جاتی، یوں اس پر بغیر کسی جرم کے مالی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ نیز مال کے بیمہ میں اگر اس چیز کو کوئی نقصان پہنچے تو کمپنی مقررہ رقم ادا کرنے کی پابند ہوگی، اور اگر کوئی ناگہانی صورت پیش نہ آئی تو بیمہ دار کو کچھ نہیں ملے گا، جب کہ وہ مقررہ مدت تک مقررہ قسط ادا کرتا رہے گا۔ اسی طرح ذمہ داریوں کے بیمہ میں پالیسی ہولڈر ادارے کو مقررہ قسط ادا کرتا رہتا ہے تاکہ کمپنی مقررہ ذمہ داری کو بیمہ دار کی طرف سے ادا کرے، مثال کے طور پر ٹریفک حادثات میں ہلاکت کے جرمانہ کی ذمہ داری۔ علاوہ ازیں جس شخص نے بیمہ پالیسی لے رکھی ہے' اس پالیسی کے میچور ہونے کے وقت سے پہلے اگر وہ بیمہ دار وفات پاجائے تو کمپنی اس بات کی پابند ہے کہ وہ معاہدہ کے مطابق پالیسی کی کل رقم ادا کرے، حالانکہ یہ دین اسلام کا قاعدہ ہے کہ وہ شخص جو کسی کا مالی نقصان کرے گا' وہی ضامن ہوگا اور بقدرِ نقصان تاوان دے گا۔ لہٰذا بیمہ محرمات کا مجموعہ ہے۔

سفارشات وتجاویز

۱۔ جو شخص دو یا تین قسطیں جمع کرائے، مگر اس کے بعد کسی مجبوری کی بنا پر بقیہ قسطیں ادانہ کر سکے، تو اس رقم سے ضروری دفتری اخراجات منہا کر لیے جائیں، اور بچ جانے والی رقم اسے واپس کر دی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ بیمہ پالیسی ہولڈر کو جب کبھی ضرورت پڑے تو اسے بلاسود قرض دیا جائے، البتہ اس کی پوری تفتیش کر لی جائے تو انسب ہے۔

۳۔ انشورنس کمپنیاں اپنی دولت کے ساتھ سرمایہ کاری کرتی ہیں، اور اس مقصد کے لیے بڑے صنعتی اداروں اور کاروباری فرمز کو سود پر قرضے فراہم کرتی ہیں۔ اس کے بارے میں تجویز یہ ہے کہ بیمہ کی کمپنیوں کو چاہیے کہ وہ شراکت اور مضاربت کے شرعی اصولوں کے مطابق اپنا سرمایہ خرچ کریں۔ اس کے علاوہ مختلف کاروباری اداروں کے حصص بھی خریدے جاسکتے ہیں، اور بڑی بڑی عمارتیں بنا کر ان کو کرائے پر دیا جاسکتا ہے، اس سے بڑا نفع حاصل ہونے کی امید ہے۔

۴۔ انشورنس کمپنی کو چاہیے کہ وہ اپنے پالیسی ہولڈرز کو شیئر ہولڈرز قرار دے، اور ان کی دولت کے حساب سے ان کے حصص مقرر کر دے، اور ان کے شیئرز کا جتنا اوسط منافع بنتا ہو' وہ ان کے سپرد کر دے، البتہ کمپنی اگر اپنا کمیشن فی صد کے اعتبار سے مقرر کر کے اس کو وضع کرلے، تو یہ اس کے لیے جائز ہو سکتا ہے۔

۵۔ بیمہ کمپنیوں کے معاملے میں ایک تجویز یہ ہے کہ حکومت وقت ان کو اپنی تحویل میں لے لے، اور پھر جبراً ایک قانون بنادے کہ ہر انشورنس پالیسی ہولڈر کی اتنے فی صد رقم منہا کر لی جائے گی جو امدادی فنڈ میں جمع کی جائے گی، یوں ایک مشترکہ فنڈ قائم ہو جائے گا۔ پھر جو بیمہ پالیسی ہولڈرز کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائیں، اس جمع شدہ فنڈ سے ان لوگوں کی مدد کی جائے گی۔ لوگوں کی فلاح وبہبود کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت وقت کی طرف سے ایسا قانون بنانا جائز ہے، کیونکہ امام کسی مباح کام کا حکم دے سکتا ہے۔